۳۱

رمضان المبارک کے آخری عشرہ اور لیلۃ القدر کی برکات سے مستفیض ہونے کی کوشش کرو۔

(فرمودہ ۳؍نومبر ۱۹۳۹ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾[1]

اس کے بعد فرمایا:-

''کل سے رمضان کا آخری عشرہ شروع ہونے والا ہے اور کچھ لوگ آج سے اور کچھ کل سے اعتکافوں میں بیٹھ جائیں گے۔ اِس رمضان کے آخری عشرہ میں ایک اور خصوصیت بھی ہے اور وہ یہ کہ اس کی ستائیسویں تاریخ جس میں بالعموم لیلۃ القدر ہوتی ہے جمعہ کے دن آتی ہے۔ جمعہ اپنی ذات میں مقدس دن ہے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ ہماری عید کا دن ہے[2] اور عید کے دن کھانے، پہننے اور عبادت کے دن ہوتے ہیں۔ جمعہ کے دن لوگ نہاتے، دھوتے، کپڑے بدلتے اور خوشبوئیں لگاتے ہیں اور وسیع علاقہ سے جمع ہو کر ایک جگہ نماز پڑھتے ہیں۔ اِس دن خاص طور پر وعظ کرنے کا حُکم ہے۔ کچھ حصّہ دن کا دُنیوی کاموں میں سے فارغ کر کے عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اِس روز کچھ وقت گھر کی صفائی کے لئے

مخصوص ہوتا ہے، کچھ اپنے جسم اور کپڑوں کی صفائی وغیرہ کے لئے اور کچھ حصّہ میں خصوصیت سے عبادت کی جاتی ہے۔ اِسی لئے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ ہماری عید کا دن ہے۔

پس اِس رمضان کے آخری عشرہ میں جمعہ کے دن جو مسلمانوں کی عید کا دن ہے ستائیسویں تاریخ ہے جس میں عام طور پر لیلۃ القدر کی برکات بزرگوں نے دیکھی ہیں اور ان دونوں کا جمع ہونا خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے اور اِس وجہ سے یہ ایّام اس قابل ہیں کہ ان سے انسان فائدہ اُٹھائے اور اپنے اندر ایک تغیر پیدا کرے مگر تغیّر بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض تغیّر چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں مگر اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے ان انسانوں کے ساتھ جو ان تغیّرات کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں خاص تعلق رکھتے ہیں مثلاً ایک شخص ایک بڑے محل کی تعمیر کی کوشش کر رہا ہے اور اس کے لئے سامان جمع کر رہا ہے مگر ایک اور ہے جو بارش میں سوکھی مٹی کی ایک ٹوکری کی تلاش میں ہے۔ چونکہ اِس کے کچے مکان کی چھت ٹپک رہی ہے۔ اب مٹی کی ٹوکری کو محل کے سامانوں کے ساتھ بے شک کوئی نسبت نہیں اور مٹی کی ٹوکری اس شخص کے ضروری سامانوں کے مقابل میں بہت حقیر چیز ہے۔ جس نے محل بنوانا ہے وہ کہیں نقشے تیار کراتا ہے، اسٹیمیٹ بنواتا ہے اور کہیں اینٹیں اور لکڑی جمع کرتا ہے مگر اس غریب کے لئے جس کا مکان بارش میں ٹپک رہا ہے سوکھی مٹی کی ٹوکری ہی زیادہ اہم ہے کیونکہ اِس کے بغیر اس کا گزارہ نہیں ہوسکتا تو انسان کو جس چیز کی ضرورت ہو وہی اُس کے لئے زیادہ اہم ہوتی ہے اور جو اُسے چنداں فائدہ نہیں پہنچاتی وہ اُس کے لئے اہم نہیں ہوتی چاہے وہ اپنی ذات میں کتنی ہی مُفید کیوں نہ ہو ایسے موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک لطیفہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ کوئی چوہڑا لاہور کے پاس سے ایک مرتبہ گزرا اُس نے دیکھا کہ شہر میں کہرام مچ رہا ہے۔ ہندو، مسلمان، مرد، عورت سب رو رہے ہیں۔ اس نے اس کی وجہ دریافت کی تو اُسے بتایا گیا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ مَر گیا ہے۔ یوں تو سکھوں کی حکومت بہت بدنام ہے مگر اس میں شُبہ نہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی مَیں نے بارہا سُنا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں امن قائم ہوگیا تھا اور اِس نے خرابیوں کو بہت حد تک دُور کر دیا تھا۔ مسلمانوں پر سکھوں کے

مظالم کے جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ سکھ مُسلوں کے زمانہ کے ہیں۔ جب مُلک کی حکومت چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی، لوٹ مار ہو رہی تھی اور طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی کوشش ہمیشہ یہی رہتی تھی کہ امن قائم ہو اور وہ مسلمانوں کے ساتھ بھی ایک حد تک اچھا سلوک کرتے تھے۔ ان کے وزراء میں مسلمان بھی تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد یعنی ہمارے دادا بھی ان کے جرنیلوں میں سے تھے اور کئی مسلمان بھی بڑے بڑے عہدوں پر تھے۔ پس اس امن کو دیکھتے ہوئے جو ان کی وجہ سے مُلک کو حاصل ہؤا اور اِس فساد کو یاد کر کے جو ان سے قبل پایا جاتا تھا ان کی موت کا سب کو صدمہ تھا اور لوگ رو رہے تھے۔ چوہڑے نے جو اِس کہرام کی وجہ دریافت کی تو کسی نے اسے بتایا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ فوت ہو گئے ہیں۔ وہ چوہڑا حیرت سے اِس شخص کا مُنہ تکنے لگا اور دریافت کرنے لگا کہ لوگ ان کی وفات پر اتنے بے تاب کیوں ہیں؟ میرے باپ جیسے لوگ مَر گئے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ کس شمار میں تھے۔ یہ لطیفہ بیان کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ جسے جس چیز کی قدر ہوتی ہے وہی اُس کے نزدیک بڑی ہوتی ہے۔ اِس چوہڑے کا باپ اس سے حسنِ سلوک کرتا تھا اس لئے وہ اسے پیارا تھا اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا حسنِ سلوک گو لاکھوں سے ہو مگر چونکہ وہ ان لاکھوں میں سے نہ تھا، نہ اِس کی نظر اتنی وسیع تھی کہ وہ سمجھتا مُلک کا فائدہ اور امن و امان بڑی چیز ہے۔ انفرادی فائدہ کی اِس کے مقابل پر کوئی حقیقت نہیں۔ اِس لئے اُس کا یہی خیال تھا کہ اصل چیز قدر کی میرا باپ تھا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو پھر مہاراجہ رنجیت سنگھ فوت ہو گیا تو کیا ہؤا۔ تو دُنیا میں اپنی ضرورت کی اہمیت کی وجہ سے بعض چھوٹی چیزیں بھی بڑی ہوتی ہیں اور بعض بڑی چیزوں کو عدمِ علم کی وجہ سے انسان نظر انداز کر دیتا ہے۔ بچے کو اگر قیمتی سے قیمتی ہیرے بھی مل جائیں تو وہ ان کی کیا قدر کرے گا؟ وہ تو یہی سمجھے گا کہ یہ شیشے کے ٹکڑے ہیں۔ غالباً حج کے سفر میں جبکہ مَیں بمبئی جہاز کے انتظار میں تھا مجھ سے ایک دوست نے ذکر کیا کہ چند روز ہوئے کوئی جوہری بازار میں سے جا رہا تھا کہ اس کے ہیرے گر پڑے۔ غالباً ایک سو پانچ ہیرے تھے جن میں سے بعض چھوٹے اَور بعض بڑے تھے۔ اس نے پولیس کے مرکزی دفتر میں اطلاع دے دی جس نے تمام تھانوں میں آگے اطلاع کر دی کہ ان کی تلاش رکھی جائے۔ کچھ دنوں کے بعد

ایک شخص ان میں سے بعض ہیرے لایا اور کہا کہ مَیں نے بعض بچوں کو ان سے کھیلتے دیکھا تھا۔ ایک بچہ سے پوچھا گیا تو اُس نے کہا مَیں نے تو یہ گولیاں ایک کاغذ میں پڑی ہوئی پائی تھیں۔ اس نے انہیں بازار میں پڑے دیکھا اور ان سے گولیاں کھیلنے لگا جس طرح بچے کھیلا کرتے ہیں۔ جس کی گولی کا سرا دوسرے کی گولی سے لگ جائے وہ جیت جاتا ہے۔اس سے جب دریافت کیا گیا کہ باقی گولیاں کہاں ہیں تو اُس نے کہا مَیں نے محلّہ والوں میں تقسیم کر دی تھیں۔ حالانکہ وہ کئی لاکھ کے ہیرے تھے مگر اس بچے کو اس کی کیا قدر ہو سکتی تھی؟ وہ شیشہ کی گولیوں کی طرح ان سے کھیلنے لگا۔ اگر اس کے باپ کو وہ ہیرے ملتے تو اگر وہ بددیانت ہوتا تو چھپا تا پھرتا اور شائد شہر ہی چھوڑ کر چلا جاتا اور کسی دوسرے شہر میں جا کر فروخت کرتا اور اگر دیانتدار ہوتا تو پولیس میں جا کر رپورٹ لکھواتا مگر بچہ کی نگاہ میں ان کی کوئی قدر نہ تھی۔ وہ انہیں شیشہ کی گولیاں سمجھتا تھا اور دوسرے بچوں میں تقسیم کرتا پھرتا تھا۔ اگر اسے مٹھائی کی گولیاں ملتیں تو وہ اِس خوشی سے ان کو تقسیم نہ کرتا۔ جب دوسرے بچے وہ ہیرے مانگتے ہوں گے تو وہ کہتا ہوگا کہ یہ گولیاں میرے پاس ایک سو پانچ ہیں۔مَیں نے ان سب کو کیا کرنا ہے کچھ تم بھی لے لو لیکن اگر اِسے مٹھائی کی گولیاں ملتیں تو وہ ہرگز دوسروں کو نہ دیتا بلکہ یہ کہتا کہ مَیں یہ گولیاں خود کھاؤں گا، دوسروں کو کیوں دوں؟ اِس کے نزدیک مٹھائی کی گولیاں زیادہ کام کی چیز تھیں شیشہ کی اتنی نہ تھیں۔تو ہر چیز کی قدر انسان کو ضرورت اور علم کے مطابق ہوتی ہے۔ایک وقت انسان کے نزدیک روٹی کے ٹکڑے کی قدر بڑی ہوتی ہے بہ نسبت جواہرات کے۔ کہتے ہیں کوئی شخص جنگل میں جا رہا تھا کھانا بالکل ختم تھا حتّٰی کہ وہ بھوک سے بیتاب ہو گیا۔زندگی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی کہ اسے راستہ میں ایک تھیلی پڑی ہوئی نظر آئی۔اُس نے بڑے شوق سے یہ سمجھ کر اُٹھایا کہ شائد اس میں بھنے ہوئے دانے ہوں۔ وہ بیتاب ہو کر اُس پر جھپٹا اور جھٹ چاقو نکال کر اسے کھولا تو معلوم ہؤا کہ وہ موتی ہیں۔اُس نے نہایت حقارت کے ساتھ اُن کو پھینک دیا اور آگے چل پڑا۔اُس وقت اس کے نزدیک مٹھی بھر دانے یا روٹی کا ایک ٹکڑا زیادہ قیمتی تھا بہ نسبت ان موتیوں کے۔تو ضرورت اور اہمیت کے مطابق انسان کو کسی چیز کی قدر ہوتی ہے بعض لوگ اہمیت کو دیکھتے ہوئے چھوٹی چھوٹی چیزوں کی تلاش میں نکلتے ہیں اور نہایت ہی اہم باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہزاروں تم میں سے ایسے ہوں گے جو سارا رمضان یہی دُعا کرنے میں گزار دیں گے کہ یا اللہ مجھے رضائی مل جائے، ہزاروں سارا رمضان یہی دُعا کرتے رہیں گے کہ دفتر میں ہم دو چپڑاسی ہیں ایک کی ترقی ہونے والی ہے، ایک کی تنخواہ پندرہ سے سولہ ہو جائے گی، یا اللہ یہ ترقی مجھے ملے میرے دوسرے ساتھی کو نہ ملے۔ ہزاروں یہ دُعائیں کرتے رہیں گے کہ فلاں سے ہمارا جو پندرہ روپیہ کا جھگڑا ہے اُس کا فیصلہ عدالت میرے حق میں کر دے۔ ممکن ہے اوپرے دل سے کوئی اور دُعا بھی کر لیں مگر وہ صرف اِس لئے ہو گی کہ توازن پورا رہے۔ ورنہ حقیقی جوش کے ساتھ یہی دُعا کریں گے کہ رضائی مل جائے یا پندرہ سے سولہ کی ترقی مجھے ملے یا پندرہ روپیہ کا مقدمہ میرے حق میں فیصلہ ہو جائے۔ حالانکہ اِس سے بہت بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کی ان کو ضرورت بھی ہوتی ہے مگر چونکہ علم نہیں ہوتا اِس لئے ان کو مانگنے کا احساس بھی ان کے دل میں نہیں ہوتا۔ مثلاً ایک شخص کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں جن کا اِس کے سوا کوئی نگران نہ ہو اور دو گھنٹے کے بعد اُس کی موت آنے والی ہو اور ساتھ ہی اُس کی مرغی بھی گم ہو گئی ہو اور اُسے کوئی فرشتہ آ کر پوچھے کہ مانگو جو مانگتے ہو تو وہ یہ نہیں کہے گا کہ مجھے اتنی لمبی عمر مل جائے کہ بچوں کی پرورش کر سکوں بلکہ اُس وقت یہی کہے گا کہ میری مُرغی مل جائے کیونکہ مُرغی کا نقصان اُسے نظر آ رہا ہے اور موت کا اُسے کوئی علم نہیں۔ تو انسان بعض اوقات عدمِ علم کی وجہ سے بڑی بڑی چیزوں کو نظر انداز کر دیا کرتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی زندگی کا ایک نہایت دلچسپ واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو بڑا بنانا ہوتا ہے اُن کے لئے شروع سے ہی ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب مَیں نے پہلی مرتبہ حج کیا۔ یہ حج آپ نے چھوٹی عمر میں ہی کیا تھا اور اس کا بھی ایک عجیب واقعہ ہؤا۔ آپ ایک ریاست میں حصولِ تعلیم کی غرض سے گئے۔ وہاں کے ایک شہزادے کو ایک مخفی مگر خطرناک مرض ہو گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس بات کا علم اس کے والدین کو نہ ہو اور نہ دوسرے لوگوں پر یہ بات ظاہر ہو۔ اِس لئے اُس نے اپنے خاص آدمیوں کو ہدایت کی کہ کوئی مسافر طبیب ملے تو اُسے لاؤ۔ وہ مقامی اطبّاء کو بھی اس سے آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ حضرت خلیفہ اوّل وہاں مسافری کی حالت میں گئے تھے۔ اُس وقت طب تو آپ بہت پڑھ چکے تھے

دوسرے علوم کی تعلیم کے لئے وہاں گئے تھے۔ شہزادہ کے کسی آدمی نے آپ سے ذکر کیا تو آپ نے کہا کہ مَیں طبیب ہوں۔ اس نے کہا کہ پھر چلو علاج کرو بہت کچھ ملے گا۔ مگر یہ عہد کرو کہ اِس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کرو گے۔ چنانچہ آپ وہاں پہنچے تو اُس وقت بھی ایک ایسا لطیفہ ہؤا کہ آپ فرماتے کہ تھا تو وہ ہماری مصیبت کی وجہ سے مگر سمجھا گیا ہمارا ہُنر۔ حالانکہ اِس میں عقل کا کوئی دخل نہ تھا بلکہ حالات کے ماتحت تھا اور یہ اس طرح ہؤا کہ جب آپ وہاں پہنچے تو شہزادہ کھانے پر بیٹھا ہؤا تھا اِس نے کہا آیئے حکیم صاحب کھانا کھایئے۔ اس روز شہزادہ کا باورچی اسے اطلاع دے گیا تھا کہ آج مَیں نے آپ کے لئے خاص شوربا تیار کیا ہے وہ بہت قیمتی ہے اور کوئی دوسرا اِسے بنانا نہیں جانتا۔ ادھر حضرت خلیفۃ اوّل کی یہ حالت تھی کہ آپ تین روز سے فاقہ سے تھے۔ پیسہ پاس نہ تھا۔ آپ دستر خوان پر تو بیٹھ گئے مگر گلا خشک تھا۔ آپ نے خیال کیا کہ اگر پہلے روٹی کھائی یا چاول کھائے تو نگلنا مُشکل ہوگا اور اگر پہلے پانی پیا تو طبیب تھے جانتے تھے کہ معدہ خراب ہوگا۔ اِس لئے آپ نے شوربا کا پیالہ اُٹھایا اور پینا شروع کر دیا۔ آپ نے تو اس وجہ سے ایسا کیا کہ گلا خشک تھا اور اُنہوں نے سمجھا کہ یہ شخص بہت اچھے کھانوں کا عادی ہے جبھی تو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ دستر خوان پر بہترین چیز کونسی ہے۔ خیر آپ نے علاج کیا اور اُسے فائدہ ہؤا۔ بعد میں اُس نے آپ کو اتنی رقم دی کہ آپ فرماتے میں نے سمجھا مجھ پر حج فرض ہوگیا ہے اور اِس طرح آپ زمانہ طالب علمی میں ہی حج کو چلے گئے۔ احادیث میں پڑھا تھا کہ خانۂ کعبہ کو دیکھ کر پہلی دُعا جو انسان کرے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ آپ فرماتے جونہی ہم بیتُ اللّٰہ کے قریب پہنچے مَیں نے سوچنا شروع کیا، کیا دُعا مانگوں۔ کبھی خیال آتا دولت کے لئے دُعا مانگوں مگر پھر سوچتا کہ اگر چور نکال کر لے گئے تو کیا فائدہ، کبھی خیال آتا کہ دُعا کروں علم مل جائے مگر پھر سوچتا علم کے ساتھ اگر عمل نہ ہؤا تو کیا فائدہ۔ پھر خیال آتا عمل کی توفیق ملنے کی دُعا کروں مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اگر ساتھ علم نہ ہؤا تو یونہی اِدھر اُدھر ٹھوکریں کھاتا پھروں گا۔ سوچ ہی رہا تھا کہ خانۂ کعبہ سامنے آ گیا مَیں نے دُعا کی کہ یا الٰہی میری ساری دُعائیں تُو قبول کر لیا کر جب بھی کسی مصیبت کے وقت میں تیری طرف توجّہ کروں تو میری دُعا کو ردّ نہ کرنا بلکہ ضرور قبول کر لینا۔[۳] یہ کیسی لطیف دُعا تھی جس نے آپ کو ساری عمر کام دیا۔ مَیں جب

حج کے لئے گیا تو مَیں نے بھی یہی دُعا مانگی تھی مگر یہ خیال حضرت خلیفۃ اوّل ہی کی ایجاد سے تھا اور کہتے ہیں اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ مگر دُعا مانگنے کا بھی ایک طریق ہوتا ہے۔ ہمارے مُلک میں ایک طریق ہے کہ بغیر عقل کے نقل کرتے ہیں جسے مَیں تو چھچھوراپن سمجھتا ہوں مثلاً مَیں نے جو یہ بات بیان کی ہے اب تو خیر مَیں نے روک دیا ہے لیکن اگر نہ روکتا تو کل ہی مجھے کئی رقعے آنے شروع ہو جاتے کہ دُعا کریں ہماری ہر دُعا قبول ہو جایا کرے۔ حالانکہ صرف مُنہ سے کوئی بات کہہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دُعا قلب کے تغیّر کا نام ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ دُعا کی مثال وہی ہے جو کہتے ہیں جو منگے سو مَر رہے مَرے سو منگن جائے۔ یعنی کوئی سوال ایسا ہوتا ہے کہ اس سے موت بہتر ہوتی ہے مگر بعض سوال جیسے مثلاً خدا تعالیٰ سے مانگنا جائز تو ہے مگر اس کے پورا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اپنے اوپر ایک موت وارد کرے۔ صرف یہ نہیں کہ مُنہ سے الفاظ دُہراتا جائے مگر مَیں نے دیکھا ہے لوگ کوئی بات سُنتے ہیں تو یونہی مُنہ سے کہنے لگ جاتے ہیں کہ دُعا کریں یوں ہو۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ مجلس میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ سے بعد الموت اِن اِن انعاموں کے وعدے کئے ہیں۔ ایک صحابی جھٹ بول اُٹھے یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! دُعا کریں مَیں بھی جنت میں آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ نے فرمایا ہاں تم ساتھ ہی ہو گے جیسے ہم میں بہت سے نقال ہیں ان میں بھی بعض تھے۔ چنانچہ یہ بات سُنتے ہی ایک دوسرا شخص اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میرے لئے بھی یہی دُعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا یہ نقل ہے پہلے نے جو لینا تھا لے لیا۔[۴] تو نقل سے کام نہیں چلتا۔ کسی سے بات سُنی اور مُنہ سے کہہ دیا یا رقعہ لکھ دیا۔ اِس سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایک دفعہ مولوی رحمت علی صاحب کے والد بابا حسن محمد صاحب نے حضرت خلیفۃ اوّل کو دُعا کے لئے ایک رُقعہ لکھا اور اس میں کوئی ایسا فقرہ لکھ دیا کہ آپ کو بہت ہی پسند آیا اور آپ نے درس میں اِس کا ذکر کیا۔ یہ دیکھ کر دوسرے روز آپ جو رقعہ اُٹھاتے اس میں وہی فقرہ درج ہوتا حالانکہ بابا حسن محمد صاحب نے جب رقعہ لکھا ہو گا ان کے قلب کی خاص کیفیت ہو گی۔ اس اضطراب اور کیفیت سے اس شخص کو جو اُن کا نقال ہو فائدہ پہنچ سکتا تھا اس کے بغیر نہیں۔ غرض جب تک کوئی خاص موقع نہ ہو خاص تحریک نہ ہو اور دُعا کسی اعلیٰ جذبہ کے ماتحت نہ ہو محض مُنہ سے کہہ دینے سے

کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بیشک جب مَیں نے یہ دُعا کی تو یہ بھی نقل تھی مگر حقیقت یہ ہے کہ اِس وقت مجھے یہ واقعہ یاد نہیں تھا بلکہ اتنا بھی خیال نہیں تھا کہ مَیں زندہ بھی ہوں۔ مَیں تو سمجھتا تھا کہ مَیں مَر چُکا ہوں اور اسرافیل صور پھونک رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے کہ میری طرف چلے آؤ۔ اس لئے اس وقت میں نے جو فعل کیا وہ نقل نہیں تھا لیکن چونکہ یہ واقعہ مَیں نے پہلے سُنا ہؤا تھا اِس لئے مَیں سمجھتا ہوں کہ دماغ کے پسِ پردہ ضرور اُس کا اثر تھا۔ تو مُنہ سے کوئی بات کہہ دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ دُعا کے لئے ان کیفیات اور جذبات کا پیدا ہونا ضروری ہے جو دُعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے۔

مَیں بتا یہ رہا تھا کہ بعض چیزیں گو چھوٹی ہوتی ہیں مگر انسان اپنی ضروریات کے مطابق انہیں مانگ لیتا ہے اور بعض بہت زیادہ ضروری ہوتی ہیں مگر چونکہ اسے ان کی اہمیت کا علم نہیں ہوتا اِس لئے ان کے لئے دُعا نہیں کرتا۔ حالانکہ انسان اگر اپنی نظر وسیع کرے اور خدا تعالیٰ کے کلام پر غور کرے تو اُس کی نظر ایسی چیزوں پر پڑ سکتی ہے جو ضروری ہیں مگر ان کا علم قرآن کریم پر غور کئے بغیر نہیں ہوسکتا۔ ان آیات میں جو مَیں نے پڑھی ہیں دیکھو اللہ تعالیٰ کس طرح انسان کے ذہن کو اِس طرف لے گیا ہے۔ رمضان کی غرض خدا تعالیٰ کو ملنا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے روزہ کا بدلہ میں آپ ہوں یعنی جب کوئی روزہ رکھتا ہے تو مَیں اُسے مل جاتا ہوں۔ اِسی مضمون کی طرف ان آیات میں جو مَیں نے ابھی پڑھی ہیں اشارہ کیا گیا ہے۔ فرماتا ہے اے ہمارے رسول وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ تو نے میرے بندوں کو بتایا ہؤا ہے کہ روزہ رکھنے سے خدا ملتا ہے۔ پس جب وہ روزہ رکھیں گے تو ضرور پوچھیں گے کہ خدا کہاں ہے؟ تو اس سوال کے جواب میں یہ کہنا کہ اِنِّيْ قَرِيْبٌ اللہ فرماتا ہے مَیں تمہارے پاس ہی بیٹھا ہوں۔ اِس پر وہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ پاس ہی ہے تو نظر کیوں نہیں آتا۔ نیز اگر وہ پاس ہے تو کون سا طریق ہے کہ ہم اُس کے پاس ہونے سے فائدہ اُٹھا سکیں۔ اِس کے جواب میں فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ یعنی ان کے روزوں کی وجہ سے تو ہم ان کے پاس تو بے شک آن بیٹھے ہیں مگر چونکہ ہماری ذات

وراءُالوریٰ ہے اِس لئے مادی اسباب سے ہم تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اِس پر وہ پوچھیں گے کہ پھر اِس سے تعلق اور وابستگی پیدا کرنے کا کونسا ذریعہ ہے؟ تو اُس کا جواب یہ دینا کہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ یعنی صرف دن کو بھوکا پیاسا رہنے سے روزہ مکمل نہیں ہوتا بلکہ روزہ رات کی دُعاؤں سے مکمل ہوتا ہے۔ روزہ صرف اِسی کا نام نہیں کہ دن کو تم کچھ کھاتے پیتے نہیں بلکہ اِس کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ راتوں کو اُٹھ کر خدا تعالیٰ کے حضور تم چلاّؤ، زاری کرو۔ پس جو میرے قرب سے فائدہ اُٹھانے کا ذریعہ دریافت کرتا ہے اُسے بتادو کہ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ جو راتوں کو اُٹھ کر روتا ہے مَیں اُس کی طرف آتا ہوں۔ دَعْوَةَ الدَّاعِ میں ہر پکارنے والا مراد نہیں بلکہ وہ روزہ دار پکارنے والا ہے جو راتوں کو اُٹھ کر خدا تعالیٰ کے حضور چلاّتا ہے۔ اِسی طرح ایسا پُکارنے والا مراد ہے جس میں خدا تعالیٰ سے ملنے کا اضطراب ہوتا ہے اُسے ملنے کے لئے وہ دن کو روزے رکھتا ہے اور راتوں کو جاگ کر گریہ وزاری کرتا ہے۔ ایسے پُکارنے والے کی دُعا کو اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ یہ بالکل افتراء اور جھوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی ہر دُعا کو سنتا ہے۔ کئی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے بڑے اضطراب سے دُعائیں کیں مگر وہ قبول نہیں ہوئیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مَیں ہر دُعا سنتا ہوں لیکن یہ بھی غلط ہے، جھوٹ ہے اور افتراء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دُعا کو ضرور سنتا ہے یا یہ کہ وہ ہر پُکارنے والے کی دُعا کو سنتا ہے۔ بے شک الدَّاعِ کے معنے ہر پُکارنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں مگر اِس کے معنے ایسے پُکارنے والے کے بھی ہو سکتے ہیں جس کا ذکر ہو رہا ہے اور اِس جگہ اِس کے یہی معنے ہیں اور مراد یہ ہے کہ وہ بندے جو مجھے ملنے کے اضطراب میں اور سب کچھ بھُول جاتے ہیں اور مجھے مانگتے ہیں میں ان کی دُعا سنتا ہوں۔ چنانچہ اس جگہ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فرمایا ہے یعنی میرے بارہ میں سوال کرتے ہیں۔ روٹی مانگنے کا کہیں ذکر نہیں ہے، نوکری کا کہیں ذکر نہیں ہے، عَنِّيْ فرمایا ہے عَنِ الْخُبْزِ یا عَنِ الْوَظِيْفَةِ نہیں فرمایا کہ جو روٹی یا نوکری مانگے۔ اس کی دُعامیں ضرور سنتا ہوں۔ پس جو خدا تعالیٰ کو مانگے اور وہ نہ ملے تو اسے اعتراض ہوسکتا ہے نیز اِس آیت کی عبارت ایسی ہے کہ اس سے اضطراب کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ بعض مضامین الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتے بلکہ عبارت میں پنہاں ہوتے ہیں اور یہی حالت یہاں ہے۔ یہاں الدَّاعِ

کے معنی ہر پُکارنے والا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کو پکارنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرے بندے میری طرف دوڑتے ہیں ان کے اندر ایک اضطراب اور عشق پیدا ہوتا ہے اور وہ چِلّاتے ہیں کہ میرا خدا کہاں ہے تو ان سے کہہ دو کہ مَیں تمہاری طرف کے پُکارنے والے کی پُکار کو ردّ نہیں کرتا اور ضرور اُس کی دُعا کو سنتا ہوں۔ دوسری جگہ بھی قرآن کریم میں یہ مضمون بیان ہے۔ چنانچہ فرمایا وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[5] یعنی جو لوگ ہمارے رستوں کی تلاش کی کوشش کرتے ہیں ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے ہم ضرور ان کو رستہ دکھاتے ہیں۔ دو تین سال ہوئے میرے پاس ایک سکھ آیا وہ بوڑھا آدمی تھا اُس نے ایک سکھ ٹھیکیدار کا نام لیا اور کہا کہ وہ کروڑ پتی آدمی ہے۔ مَیں اُس کا منیم ہوں اور اُس نے مجھے بھیجا ہے کہ دُنیا تو بہت کمائی ہے اب خدا تعالیٰ کو ملنے کی خواہش ہے۔ آپ بتائیں اس سے کس طرح مل سکتے ہیں اور کہنے لگا کہ مَیں خود بھی اِسی خیال کا ہوں۔ میری طرف سے بھی یہی درخواست ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں راستہ تو بتا دُوں گا مگر تم نے اُس پر چلنا نہیں۔ وہ کہنے لگا بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نہ چلیں۔ مَیں نے کہا اگر چلیں تو یہ تو میری عین خواہش ہے مگر میرا خیال ہے آپ لوگ چلیں گے نہیں۔ اِس نے وعدہ کیا کہ ضرور چلیں گے۔ مَیں نے اُسے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ لکھ دیا اور کہا کہ یہ پڑھا کرو اور ساتھ دُعا کیا کرو کہ یا اللہ ہمیں سچائی کا رستہ دکھلا دے اور یہ سچا راستہ اسلام کا ہی ہوگا مگر روپیہ اور تعلقات وغیرہ کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنا تمہارے لئے مُشکل ہوگا۔ بعض لوگ تو بے پرواہ ہوتے ہیں اور پھر کبھی جواب بھی نہیں دیتے مگر مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے بعد اُس کا خط آیا کہ ہم نے اِسی طرح دُعا کی تھی اور راستہ ہمیں بتایا بھی گیا ہے۔ مگر اُس کے بعد اُس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی اور میری بات سچی نکلی کہ راستہ تو دکھا دیا جائے گا مگر رہیں گے وہ وہیں جہاں تھے۔

غرض اللہ تعالیٰ ہر عقل، مذہب اور علم کے آدمی کو اپنا راستہ دکھاتا ہے بشرطیکہ انسان اُس کے لئے کوشش کرے اور اُس دُعا کو وہ ضرور سُن لیتا ہے۔ باقی کی دُعاؤں کے لئے وہ مصلحتوں کو دیکھتا ہے۔ بعض دفعہ انسان جو روٹی مانگتا ہے اُس کے علم میں وہ اس کے لئے مُہلک ہوتی ہے یا جو دولت مانگتا ہے، جو علم مانگتا ہے وہ اِس کے لئے مُہلک ہوتا ہے۔ پھر بعض دفعہ ایک نوکری

ہوتی ہے اور اُس سے اچھا کوئی مانگنے والا ہوتا ہے اب نوکری تو ایک کی دو نہیں ہو جائیں گی اِس لئے ایک کو ہی مل سکتی ہے کسی کے ہاں چپڑاسی کی جگہ خالی ہے اور یہ اس کے لئے دُعا کرتا ہے لیکن اُسے کیا علم ہے کہ دوسرا بھی اُس کے لئے کس طرح رورو کر دُعائیں مانگ رہا ہے اور اس کے سامان بھی زیادہ ہیں۔ یعنی صحت وغیرہ بھی اِس کی بہتر ہے۔ ضرورت بھی اس کی زیادہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کی دُعا کو کس طرح سُن لے؟ نوکری ایک کی دو نہیں ہوسکتی مگر وہ چیز جس کے بانٹنے کے باوجود اس میں کمی نہیں ہوسکتی وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ روٹی بھی محدود ہے، عزت بھی محدود ہے۔ یہ ساری چیزیں محدود ہیں اگر ایک شے کے لئے دو مانگنے والے سامنے ہیں تو زیادہ حق والے کو وہ دے گا۔ یا پھر اگر وہ تمہارے لئے مُضر ہے تو گو کوئی اَور حق دار نہ ہو پھر بھی نہیں دے گا۔ وہ دوست سے دُشمنی کیوں کر سکتا ہے اور کیونکر ممکن ہے کہ جس چیز کے متعلق وہ جانتا ہے کہ آگ ہے وہ اپنے دوست کو دے دے؟ غرضیکہ سب دُعاؤں کی قبولیت میں روکیں ہوتی ہیں مگر ایک دُعا ہے جس کے ملنے میں کوئی بُرائی نہیں اور جس کے ملنے میں کوئی روک نہیں۔ دُنیا کی ہر چیز میں بُرائی ہوسکتی ہے نماز میں بھی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا ہے وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ[6] خدا تعالیٰ کو مانگنے میں کوئی وَیل نہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ کسی سے اِس لئے نہ ملے کہ وہ عذاب میں نہ پڑے۔ یا یہ کہ خدا تعالیٰ کے وجود میں کمی نہ آجائے۔ جس طرح ہوا ہر ایک کے ناک میں جاتی ہے مگر اُس میں کمی نہیں ہوتی اِسی طرح خدا تعالیٰ ہر بندے کو ملتا ہے اور پھر بھی اُس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ سورج کی شعاعوں سے سب مخلوق فائدہ اُٹھاتی ہے مگر اُن میں کوئی کمی نہیں ہوتی، چاند کی شعاعوں میں کمی نہیں ہوتی۔ تم چاند کی روشنی میں گھنٹوں بیٹھ کر لُطف اُٹھاؤ مگر نور پھر بھی وہیں کا وہیں رہے گا اور اِس میں کوئی کمی نہیں ہوگی یہی حال خدا تعالیٰ کا ہے بلکہ خدا تعالیٰ تو ان سے بھی کامل ہے۔ ان میں بھی ممکن ہے کہ کوئی باریک سے باریک کمی ہو جاتی ہو مگر خدا تعالیٰ میں اتنی بھی نہیں ہوتی اور وہ اپنے بندوں سے خود کہتا ہے کہ مانگو مگر یاد رکھو کہ اس کے ساتھ میرے بھی دو مطالبے ہیں اور وہ یہ کہ (۱) فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ تم بھی ان باتوں کو جو مَیں کہتا ہوں مانو (۲) وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ مجھ پر پورا پورا اعتماد کرو اور کامل توکّل رکھو۔ گویا ایک طرف تو تم خدا تعالیٰ سے غدّاری نہ کرو اور

دوسری طرف یقین رکھو کہ وہ بھی تم سے غدّاری نہیں کرے گا۔ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ پھر دیکھو تم کس طرح تیزی سے قدم مارتے ہوئے جسے پنجابی میں دگڑ دگڑ کر کے چلتے جانا کہتے ہیں اس راستہ پر چل پڑو گے جس سے خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل ہوتا ہے اور باوجودیکہ وہ غیر مرئی ہے تم اس کو پالو گے اور اس کا وصال حاصل کر لو گے۔

اب غور کرو یہ کتنی بڑی چیز ہے مگر کتنے لوگ ہیں جو یہ طلب کرتے ہیں۔ کئی لوگ ہیں جو توکّل کا نام تو لیتے ہیں مگر یہ سمجھتے نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ کچھ عرصہ ہؤا اِسی سفرِ سندھ میں مجھے خدا تعالیٰ کی ملاقات کے متعلق ایک عجیب رؤیا ہؤا جس کا اثر میری طبیعت پر اب تک ہے۔ مَیں نے دیکھا کہ دو پہاڑیاں ہیں جن میں ایک درّہ ہے اور پہاڑیوں کے پرے بہت بڑا وسیع میدان ہے جو گو مجھے نظر نہیں آتا مگر مَیں اُس درّہ کی طرف جا رہا ہوں۔ چاروں طرف اندھیرا ہے اور مَیں پہاڑیوں کے درمیانی راستوں پر سے گزر کر جا رہا ہوں۔ میرے کانوں میں دور سے گونج کی اواز آ رہی ہے۔ مَیں نے اس کے قریب ہونے کی کوشش کی تو وہ گانے کی آواز معلوم ہوئی جیسے دور کوئی نہایت ہی شیریں آواز میں گا رہا ہو۔ میرے قلب میں ایک بشاشت اور مسرت محسوس ہوئی اور مَیں نے اپنے قدم اور تیز کر دیئے کہ دیکھوں کیا بات ہے۔ جب مَیں کچھ اور قریب ہؤا تو مَیں نے محسوس کیا کہ گویا کچھ لوگ شعر پڑھ رہے ہیں مگر ابھی وہ شعر سمجھ میں نہیں آئے۔ مَیں اور قریب ہؤا تو کوئی کوئی لفظ سمجھ میں آنے لگا۔ نہایت ہی سریلی آواز تھی اور یوں معلوم ہؤا کہ کئی آدمی ہیں جو مل کر ایک ہی شعر پڑھ رہے ہیں۔ مَیں اَور آگے ہؤا تو آواز اَور واضح ہونے لگی اور جب مَیں نے پھر کان لگائے کہ سنوں کیا پڑھتے ہیں تو یکدم میرے مُنہ سے یہ فقرہ نکلا کہ یہ تو میرے شعر ہیں اور جب مَیں نے اور غور کیا تو معلوم ہؤا کہ وہ میرے ایک پرانے شعر کا مصرعہ پڑھ رہے تھے جو یہ ہے۔

زِنہار مَیں نہ مانوں گا چہرہ دکھا مجھے

پڑھنے والوں کی آواز نہایت ہی سُریلی اور دل کو لُبھا لینے والی تھی اور وہ اِس طرح پڑھ رہے تھے جس طرح کوئی مست ہو کر گاتا ہے۔ وہ نظر تو نہیں آتے تھے مگر اُن کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ جب مَیں اَور قریب ہؤا تو مَیں نے محسوس کیا کہ یہ تو فرشتے ہیں جو میرا مصرعہ پڑھ رہے

ہیں۔ اتنے میں یکدم دور اُفق میں بجلی چمکی اور روشنی سی ہوئی اور معاً مجھے القاہؤا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تجلّی ہے۔ پہلی تجلّی وہ تھی جو میرے پہنچنے سے قبل ظاہر ہو چکی ہے اور گویا وہ ادنیٰ تجلّی تھی اور اِسے دیکھ کر فرشتے یہ مصرعہ پڑھنے لگے تھے کہ ؎

زِنہار میں نہ مانوں گا چہرہ دکھا مجھے

اور گو مَیں نے پہلی تجلّی نہیں دیکھی مگر مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ دوسری زیادہ ہے اور جب یہ ظاہر ہوئی تو فرشتوں نے پہلے مصرعہ کی بجائے یہ مصرعہ پڑھنا شروع کر دیا کہ

اک معجزہ دکھا کے تو عیسیٰ بنا مجھے

یوں معلوم ہوتا تھا کہ سب ملائکہ نہایت جوش کے ساتھ اکٹھے جس طرح انگریزوں کے ہاں Chorus ہوتا ہے گا رہے ہیں۔ وہ کچھ دیر اِسی جوش اور شدّت کے ساتھ گاتے رہے اور یوں معلوم ہونے لگا کہ گویا ان کی آواز نے اللہ تعالیٰ کے عرش کو ہِلا دیا ہے اور اِس کے نتیجہ میں اِس کی آخری تجلّی ہوئی اور مجھے یوں معلوم ہؤا کہ پہلی تجلّی جو میرے پہنچنے سے قبل ظاہر ہوئی عاشقانہ تجلّی تھی، دوسری عیسوی تجلّی تھی اور یہ تیسری محمدی تجلّی ہے جس میں بہت نور تھا اِس پر فرشتوں نے ایک تیسرا مصرعہ پڑھنا شروع کر دیا جو مجھے یاد نہیں رہا اور اِس پر میری آنکھ کھل گئی۔ مجھے یاد ہے کہ مَیں خواب میں ہی کہہ رہا تھا کہ یہ تیری تجلّی محمدی تجلّی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کو کسی مقام پر کھڑا کرنا چاہتا ہے تو وہ اُسے پہلے اُس مقام کی ادنیٰ تجلّی دکھاتا ہے جن سے اس کے اندر اِس مقام کے حصول کے لئے شوق پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کے لئے والہانہ طور پر کوشش شروع کر دیتا ہے۔ سب سے پہلے وہ عام عشق کی تجلّی دکھاتا ہے جو عام لوگوں کے لئے ہے۔ اسے دیکھ کر جن لوگوں کے دلوں میں محبت کا جذبہ ہوتا ہے وہ کہہ اُٹھتے ہیں کہ ہمیں اِس کی پوری تجلّی دکھا اور بے تاب ہو ہو کر کہتے ہیں کہ

زِنہار مَیں نہ مانوں گا چہرہ دکھا مجھے

جس پر وہ تجلّی انہیں دکھائی جاتی ہے اِس تجلّی کے بھی بہت سے درجے ہوتے ہیں۔ جب وہ اپنے مناسبِ حال درجوں کو طے کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس سے اوپر کی تجلّی کے لائق پاتا ہے تو اُس کے دل میں اس کا شوق پیدا کرنے کے لئے ایک ادنیٰ تجلّی دوسرے مقام کی

دکھاتا ہے جسے دیکھ کر بندہ سمجھ لیتا ہے کہ جو مجھے پہلے مِلا وہ تو اُس کے مقابل پر کچھ بھی نہ تھا اور بے تاب ہو ہو کر کہنے لگتا ہے کہ ؎

اک معجزہ دکھا کے تو عیسیٰ بنا مجھے

اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان معجزات کے ساتھ اس مقام کو حاصل کرتا ہے عقل سے نہیں۔ عیسوی مقام کے لئے دُعا کا جُوش خدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا کیا جاتا ہے جب وہ دُعا قبول ہو جاتی ہے اور وہ مقام اور اُس کے مختلف مدارج انسان حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جو اعلیٰ مقامات کے قابل ہوتا ہے محمدی تجلّی کی ایک ادنیٰ جھلک ظاہر کرتا ہے جسے دیکھ کر پھر بندے کے دل میں جوش پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے دُعائیں اور التجائیں اور گریہ وزاری شروع کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے محمدی مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ غرض اِس رؤیا میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پانے کے لئے ایک والہانہ کیفیت اور مجنونانہ حرکت کی ضرورت ہوتی ہے جس طرح بچہ ماں کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں فلاں چیز لے کر چھوڑوں گا اور آخر ماں اِس کی خواہش پوری کر ہی دیتی ہے۔ اِسی طرح بندہ بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں تو تجھے دیکھ کر ہی چھوڑوں گا۔ تب اللہ تعالیٰ بھی حجاب اُٹھا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ لے دیکھ لے۔ جب اِس مقام کے نور اِس کے اندر رچ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دیکھ لیتا ہے کہ اِس سے بڑا مقام پانے کے یہ قابل ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسری اور پھر اِسی طرح تیسری تجلّی کو ظاہر کرتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کیفیت کو ایک نہایت لطیف مثال کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوزخ میں سب سے آخر رہ جائے گا اللہ تعالیٰ اُسے نکالے گا اور کہے گا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟ وہ کہے گا کہ بس یہی مانگتا ہوں کہ مجھے دوزخ سے نکال دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اچھا نکال دیا اور اسے بہت خوشی وہ گی۔ کچھ روز کے بعد اُسے دور ایک سبز وشاداب درخت نظر آئے گا اور اُس کے دل میں لالچ پیدا ہو گا کہ اگر مَیں وہاں پہنچ کر اُس کے نیچے بیٹھ سکوں تو کیا اچھا ہو۔ کچھ مدّت تک تو وہ اُس خیال کے اظہار سے رُکے گا مگر آخر خدا تعالیٰ سے کہے گا کہ ہے تو بڑی بات لیکن اگر مجھ پر رحم کر کے اس درخت کے نیچے بیٹھنے دیں تو بہت مہربانی ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی بات کو مان لے گا اور

اِسی درخت کے نیچے پہنچا دے گا۔ آخر جب وہ اُس درخت کے نیچے کچھ عرصہ راحت حاصل کرے گا تو پھر اللہ تعالیٰ امتحان کے لئے اُس سے بہتر درخت اُس سے کچھ فاصلہ پر ظاہر کرے گا اور وہ پھر لالچ کرے گا کہ اس کے نیچے بیٹھے۔ کچھ مدت تک تو وہ اپنے نفس کی اِس خواہش کو برداشت کرے گا اور کہے گا کہ مَیں اب اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کس طرح کروں لیکن آخر درخواست کر ہی دے گا اور کہے گا کہ آئندہ اور کچھ نہ مانگوں گا تب خدا تعالیٰ اُسے وہاں رہنے دے گا اور پھر وہ دور سے جنت کا دروازہ دیکھے گا اور آخر اُس سے باہر رہنا برداشت نہیں کر سکے گا اور خدا تعالیٰ سے کہے گا کہ مجھے اِس جنت کے دروازے کے آگے تو بٹھا دے مَیں اندر جانے کی درخواست نہیں کرتا۔ صرف باہر بٹھا دے۔ وہیں سے لُطف حاصل کروں گا۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ کیا اِس کے بعد تو کچھ نہیں مانگے گا؟ بندہ کہے گا نہیں۔ اِس پر اللہ تعالیٰ اُسے جنت کے دروازہ پر بٹھا دے گا لیکن بھلا وہاں اُسے کس طرح چین حاصل ہو سکے گا۔ آخر وہ بیتاب ہو کر کہے گا کہ یا اللہ مجھے دروازہ کے اندر کی طرف بٹھا دے۔ مَیں یہ تو نہیں کہتا کہ مجھے جنت کی نعماء دے لیکن یہ کہتا ہوں کہ دروازہ کے اندر بٹھا دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ ہنسے گا اور کہے گا کہ میرے بندے کی حرص کہیں ختم نہیں ہوتی۔ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ اور جہاں چاہو رہو۔[8] یہی نظارہ خدا تعالیٰ نے مجھے دکھایا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ پہلے ایک ہلکی سی تجلّی دکھاتا ہے اور اسے دیکھ کر جب ملائکہ صفت انسان بے تاب ہو جاتا ہے اور دُعائیں کرتا ہے کہ کامل تجلّی دکھا تو پھر اللہ تعالیٰ اُسے کامل تجلّی دکھاتا ہے اِس کے بعد دوسرے مقام کی ہلکی سی تجلّی دکھاتا ہے اور بندے کے دل میں اس کے حصول کی خواہش پیدا کر دیتا ہے۔ جب بندہ اس کے لئے دُعاؤں میں لگ جاتا ہے تو اُسے اِس مقام کی کامل تجلّی دکھا دی جاتی ہے۔ اِس کے بعد اگلے مقام کے متعلق پہلے کی طرح شوق پیدا کیا جاتا ہے اور آخر وہ مقام بھی بندہ کو مل جاتا ہے اِس نقطۂ نگاہ سے دیکھیں تو مومن کا دل کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتا ہمیشہ مضطرب ہی رہتا ہے۔ دُنیوی انسان کا دل بھی کبھی مطمئن نہیں ہوتا اور مومن کا بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک خدا تعالیٰ کے لئے مضطرب ہوتا ہے اور دوسرا دُنیا کے لئے لیکن اضطراب ہوتا دونوں میں ہے اور دُنیا کا گزارہ ہی اضطراب سے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کسی کا اضطراب دُنیا کے لئے ہوتا ہے اور کسی کا خُدا کے لئے۔

بعض مومن جب اپنے اندر اضطراب دیکھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ شاید ہمیں ایمان نصیب نہیں حالانکہ اگر دیکھا جائے تو اضطراب ان مدارج کے لئے ہوتا ہے جو میسّر نہ ہوں یا اونچے درجوں کے لئے ہوتا ہے۔ جو مقام مومن کو حاصل ہوتا ہے اس سے اگلے کے لئے اس میں اضطراب پیدا ہوتا ہے۔ جنت میں بھی مختلف مقام یوں نظر آئیں گے جیسے ستارے زمین سے نظر آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے قُرب کی راہیں اتنی غیر محدود ہیں کہ انہیں کُلی طور پر طے کرنے کا خیال کرنا بھی کفر ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب طے نہیں کیں۔ بے شک اپنے مقام کی سب کیں اور آپ سب سے آگے ہیں مگر یہ کہ خدا تعالیٰ کا احاطہ کر لیا ہو یہ غلط ہے۔ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ [9] کوئی بندہ اِس کا احاطہ نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ جتنا وہ خود دکھائے۔ باقی پھر غیر محدود رہتا ہے اور اس کے حصول کی خواہش مومن کے دل میں پیدا ہونی ضروری ہے اور اسی کے لئے کوشش کرنی چاہئے مگر ہزاروں ہیں جو دُعائیں بھی کرتے ہیں دوسروں کو بھی دُعاؤں کے لئے رقعے لکھتے ہیں مگر یہ خواہش اور اضطراب ان کے اندر پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے تو بعض دفعہ ہنسی آتی ہے۔ بعض واقفین تحریک جدید مجھے رقعے لکھتے ہیں کہ کوٹ نہیں یا فلاں چیز نہیں۔ حالانکہ وقف کرنے کے معنے تو یہ ہیں کہ آدمی کھڑا ہو گیا اب اس نے ہِلنا نہیں اِس کی زبان بند ہے۔ مگر یہ عجیب وقف ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں چیز نہیں۔ مَیں دے تو دیتا ہوں مگر سوچتا ہوں کہ جسے کھانے پینے کے لئے میری مدد کی ضرورت ہے اُسے خدا تعالیٰ سے کیا تعلق ہے؟ واقفین کو ہم جو کچھ دیتے ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے۔ کیونکہ ان کی طلب کے بغیر ملتا ہے مگر یہ کہ اپنی خواہش ہو کہ مل جائے یہ خدا تعالیٰ پر توکّل کے منافی ہے۔ توکّل کی مثال تو یہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ایک مرتبہ مطب میں بیٹھے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دہلی میں تھے وہاں حضرت میر صاحب سخت بیمار ہو گئے۔ قولنج کا اتنا سخت حملہ ہؤا کہ ڈاکٹروں نے کہا آپریشن ہونا چاہئے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بعض یونانی دواؤں سے بغیر آپریشن کے بھی آرام ہو جاتا ہے اِس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خلیفہ اوّل کو تار دے دیا کہ جس حالت میں بھی ہوں آجائیں۔

آپ مطب میں بیٹھے تھے۔ کوٹ بھی نہیں پہنا ہؤا تھا پیسے بھی پاس نہ تھے۔ آپ نے غالباً حکیم غلام محمد صاحب مرحوم امرتسری کو ساتھ لیا اور اِسی طرح اُٹھ کر چل پڑے۔ حکیم غلام محمد صاحب نے کہا کہ مَیں گھر سے پیسے وغیرہ لے آؤں مگر آپ نے کہا کہ نہیں حُکم یہی ہے کہ جس حالت میں ہو چلے آؤ۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّل چلنے میں کتنے کمزور تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیر کو جاتے تو آپ پیچھے رہ جاتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کھڑے ہو کر فرماتے مولوی صاحب کہاں ہیں اور حضرت خلیفہ اوّل بعد میں آ کر ملتے۔ اِسی طرح پھر پیچھے رہ جاتے اور پھر کھڑے ہو کر انتظار فرماتے مگر آپ غالباً حکیم غلام محمد صاحب کو ساتھ لے کر پیدل بٹالہ پہنچے۔ اسٹیشن پر جا کر بیٹھ گئے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اب کرایہ وغیرہ کا کیا انتظام ہوگا؟ حضرت خلیفہ اوّل نے فرمایا کہ یہاں بیٹھو اللہ تعالیٰ خود کوئی انتظام کر دے گا۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور دریافت کیا کہ کیا آپ حکیم نورالدّین صاحب ہیں؟ آپ نے کہا ہاں۔ وہ شخص کہنے لگا کہ ابھی گاڑی آنے میں دس پندرہ منٹ باقی ہیں اور مَیں نے اسٹیشن ماسٹر سے کہہ بھی دیا ہے کہ ذرا آپ کا انتظار کرے۔ مَیں بٹالہ کا تحصیلدار ہوں میری بیوی بہت سخت بیمار ہے۔ آپ ذرا چل کر اُسے دیکھ آئیں۔ آپ گئے، مریضہ کو دیکھ کر نسخہ لکھا اور اسٹیشن پر واپس آ گئے۔ وہ شخص بھی ساتھ آیا اور کہا کہ آپ چل کر گاڑی میں بیٹھیں مَیں ٹکٹ لے کر آتا ہوں اور وہ سیکنڈ کلاس کا ایک ٹکٹ اور ایک تھرڈ کلاس کا لے آیا اور ساتھ پچاس روپے نقد دیئے اور کہا کہ یہ حقیر ہدیہ ہے اِسے قبول فرمائیں۔ آپ دہلی پہنچے اور جا کر میر صاحب کا علاج کیا۔[10] یہ صحیح توکل کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرے بندے کا توکّل صحیح ہے یا نہیں۔ ممکن ہے اس آزمائش کے لئے وہ فاقے دے، ننگا کر دے، موت کے قریب کر دے تا بندوں کو بتائے کہ میرے اِس بندے کا انحصار توکّل پر ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اسے لنگوٹی باندھنی پڑتی ہے، دھجیاں لٹکنے لگتی ہیں اور بعض کو اِس کی مدد کے لئے اس طرح ننگا دکھا کر الہام کرتا ہے۔ بعض کو لفظی الہام سے بھی مدد کا حُکم دیتا ہے مگر بعض کو اِس کی حالت دکھا کر تحریک کرتا ہے مگر توکّل کے صحیح مقام پر جو لوگ ہوتے ہیں وہ کسی سے مُنہ سے مانگتے نہیں دُنیا میں ہر ایک شخص کے ماں باپ فوت ہوتے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات بھی ہوئی مگر ہمارے لئے

مُشکل یہ تھی کہ ہم سمجھتے ہی نہ تھے کہ آپ وفات پا جائیں گے۔لوگوں کو اِس کا احساس ہوتا ہے۔ اِس لئے کوئی روپیہ جمع کرتا ہے، کوئی بیمے کراتا ہے اور کوئی اَور انتظام کرتا ہے مگر ہم تو سمجھتے ہی نہیں تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فوت ہو جائیں گے۔ہم میں سے ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ مَیں پہلے فوت ہوں گا اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس کا جنازہ پڑھائیں۔نوجوان احباب یہ درخواستیں کرتے تھے کہ حضور دُعا کریں کہ ہم آپ کے ہاتھوں میں فوت ہوں اور آپ جنازہ پڑھائیں۔آپ پر اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور انعامات دیکھ کر ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ آپ کو زندہ رہنا چاہئے اور قلوب کی اِس کیفیت کی وجہ سے نہ ہمیں اس کا خیال تھا اور نہ اس کے لئے کوئی تیاری تھی کہ آپ فوت ہو گئے۔بعض رشتہ داروں نے والدہ صاحبہ کو تحریک کی (ہمارے نانا جان مرحوم نے ایسا مشورہ نہیں دیا مبادیٰ کوئی یہ خیال کرے) مَیں یہ تو نہیں کہتا کہ ورغلایا کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں کہ وہ نیک نیتی سے ہی کہہ رہے ہوں گے مگر اُنہوں نے تحریک کی کہ آپ مطالبہ کریں کہ جو چندے آتے ہیں وہ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل ہی آتے ہیں اِس لئے ان میں سے ہمارا حصّہ مقرر ہونا چاہئے۔مَیں اُس وقت بچہ تھا مگر یہ مشورہ مجھے اتنا بُرا معلوم ہوا کہ مَیں نے کمرہ کے باہر ٹہلنا شروع کر دیا کہ جونہی مجھے موقع ملے مَیں والدہ سے اس کے متعلق بات کروں اور جب موقع مِلا مَیں نے کہا کہ یہ چندے کیا ہماری جائیداد تھی یہ تو خدا تعالیٰ کے دین کے لئے ہیں ان میں سے حصّہ لینے کا کسی کو کیا حق ہے؟ پھر بعض لوگ ایسے تھے کہ جو یہ مشورہ کر رہے تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے لئے گزارہ مقرر کرنا چاہئے۔چنانچہ ایک دوست نے مجھ سے آ کر کہا کہ ہم نے یہ تجویز کی ہے کہ آپ کو گزارہ دیا جائے۔مَیں نے کہا کہ ہم اِس کے لئے تیار نہیں ہیں۔ہم بندوں کے محتاج کیوں ہوں؟ اس وقت ہماری جائیداد بھی پراگندہ حالت میں تھی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس کی طرف توجّہ نہ کی تھی اور بظاہر گزارہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی مگر میرے نفس نے یہی کہا کہ جو خدا انتظام کرے گا اُسی کو منظور کروں گا۔ بندوں کی طرف کبھی توجّہ نہ کروں گا۔میرا جواب سُن کر اُس دوست نے کہا کہ پھر آپ لوگوں کے گزراہ کی کیا صورت ہوگی؟ مَیں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا منشاء زندہ رکھنے کا ہوگا تو وہ خود انتظام کر دے گا

اور اگر اُس نے مارنا ہے تو وہ موت زیادہ اچھی ہے جو اُس کے منشاء کے ماتحت ہو۔ تو گویا مَیں نے یہ دونوں صورتیں ردّ کر دیں۔ حصّہ والی تجویز تو شرعاً بھی ناجائز تھی مگر مَیں نے دوسری صورت کو بھی منظور نہ کیا۔ یہ ذاتی غیرت تھی۔ اب تیسرا پہلو سلسلہ کے لئے غیرت کا تھا اِس کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ مرزا سلطان احمد صاحب کے دل میں مشورہ کی تحریک پیدا کی۔ آپ اُس وقت غیر احمدی تھے آپ نے مناسب سمجھا کہ بڑے بھائی کی حیثیت میں مجھے مشورہ دیں اور شیخ یعقوب علی صاحب کو میرے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ آپ سلسلہ سے کوئی رقم لینا منظور نہ کریں یہ ہماری خاندانی غیرت کا سوال ہے۔ میرے نفس نے فوراً کہا کہ گو یہ مشورہ وہی ہے جو میرے دل نے دیا ہے مگر اس وقت مشورہ دینے والا ایک ایسا شخص ہے جو گو میرا بڑا بھائی ہے مگر ہے غیر احمدی اور مذہب کے رو سے سب سے زیادہ قریبی رشتہ ہم مذہبوں کا ہوتا ہے۔ یہ میرے اور سلسلہ کے تعلقات میں کیوں دخل دیں۔ چنانچہ اِس خیال کے آتے ہی میں نے شیخ صاحب سے کہا کہ ان کا شکریہ ادا کر دیں اور کہہ دیں کہ میرا اور سلسلہ کا جو تعلق ہے اُس کے بارہ میں مَیں خود ہی فیصلہ کرنا پسند کرتا ہوں۔ انہیں اِس سے تعلق نہیں۔ آخر حضرت خلیفۃ المسیح اوّل نے مجھے بُلایا اور کہا ہم آپ لوگوں کو اپنے پاس سے کچھ پیش نہیں کرتے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے جس کے ماتحت مَیں نے گزارہ کی تجویز کی ہے اور الہام میں رقم تک مقرر ہے۔ اب سوال انسانوں کا نہ رہا بلکہ خدا تعالیٰ کے دین کا آ گیا۔ اس لئے مَیں نے اس امر کو منظور کر لیا۔ جو گزارہ مقرر ہوا وہ ہمارے لئے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی تھا۔ گو اِس زمانہ میں ہمارے بچے بھی اس میں گزارہ نہیں کر سکتے۔ مجھے اُس وقت ساٹھ روپے ملتے تھے جن میں سے مَیں دس روپیہ ماہوار تو تشحیذ پر خرچ کرتا تھا۔ دو بچے تھے، بیوی تھی اور گو کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی مگر خاندانی طور طریق کے مطابق ایک کھانا پکانے والی اور ایک خادمہ بچوں کے رکھنے اور اوپر کے کام میں مدد دینے کے لئے میری بیوی نے رکھی ہوئی تھی۔ سفر اور بیماری وغیرہ کے اخراجات بھی اِسی میں سے تھے۔ پھر مجھے کتابوں کا شوق بچپن سے ہے۔ جس وقت میری کوئی آمد سوائے اس کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کپڑوں کے لئے مجھے دیا کرتے تھے نہ تھی تب بھی میں کتب خریدتا رہتا تھا بلکہ اس سے پہلے جبکہ کاپیوں، کاغذ قلم وغیرہ

کے لئے مجھے تین روپے ماہوار مِلا کرتے تھے اِس میں سے بھی بچا کر کتابیں خریدتا رہتا تھا۔ اب تو مَیں نے دیکھا ہے اچھی اچھی نوکریوں والے بھی نہیں خریدتے مگر مجھے اُس وقت بھی یہ شوق تھا اِس رقم سے جو بھی گزارہ کے لئے ملتی تھی اپنی علمی ترقی کے لئے اور مطالعہ کے لئے کتابیں بھی خریدتا رہتا تھا اور کافی ذخیرہ میں نے جمع کر لیا تھا۔ تو مَیں بتا رہا تھا کہ توکّل کا صحیح مقام یہی ہے۔ بعض لوگ اب مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اتنی بیویاں ہیں، اتنے بچے ہیں مگر مَیں پوچھتا ہوں کہ ان بیوی بچوں کے لئے کیا مَیں نے کسی سے کچھ مانگا ہے؟ مَیں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اگر خدا تعالیٰ نے نہ دیا تو فاقے کر لیں گے مگر کسی سے مانگیں گے نہیں۔ میرا اصول ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہی لینا ہے اور جو وہ بھیج دے اُسی پر گزارہ کرنا ہے اور مَیں نے دیکھا ہے کہ وہ ایسی ایسی راہوں سے دیتا ہے کہ انسان گمان بھی نہیں کر سکتا۔ مجھے آٹھ دس غیر احمدیوں سے اِس قدر امداد ملی ہے کہ شاید سب احمدیوں نے جو ہدایہ دیئے ہوں ان کے برابر ہو گی اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ کبھی اُنہوں نے اپنے نام کے اظہار کی بھی خواہش نہیں کی۔ بعض کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کے ذریعہ تحریک کی، بعض کو دوسرے ذرائع سے، بعض دنیوی کاموں میں اتنا روپیہ مل گیا کہ جس کا وہم بھی نہ تھا مگر اصول میرا یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیتا ہے تو دے اور اگر نہ دے تو انسان صبر سے کام لے اور بندوں کی طرف نگاہ نہ اُٹھائے اور مَیں سمجھتا ہوں یہی توکّل ہے۔ یہ بھی نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی اچھی چیز بھیج دے تو انسان اُسے پھینک دے۔ یہ توکّل نہیں گستاخی ہے اور نہ ہی یہ توکّل ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو وقف کرے اور پھر ضرورت پڑے تو مانگے۔ یہ مانگنا خواہ خلیفہ سے بلکہ خواہ نبی سے ہی کیوں نہ ہو بلکہ خواہ خاتم النّبیّین سے کیوں نہ ہو توکّل کے خلاف ہے۔ توکّل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ دے تو لے نہیں تو جو ہے اُسی پر قناعت کرے اور سمجھے کہ اگر اللہ تعالیٰ مارنا ہی چاہتا ہے تو مار دے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک بزرگ کا قصّہ سُنایا کرتے تھے کہ وہ کسی گوشہ میں بیٹھے وعظ و نصیحت کرتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ اُن کو وہیں روزی پہنچا دیتا تھا۔ دور شہر سے باہر جگہ تھی جہاں وہ رہتے تھے ایک دفعہ کئی دن گزر گئے اور کھانے کو کچھ نہ آیا۔ یہ شاید اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ اب شہر میں چل کر کسی دوست سے کچھ مانگنا چاہیئے چنانچہ وہ گئے اور ایک دوست سے کہا

کہ کچھ کھانے کو دو۔ اُس نے دو تین روٹیاں اور کچھ سالن اوپر ہی ڈال کر دے دیا۔ یہ چل پڑے تو ساتھ ہی اُس دوست کا کُتا بھی پیچھے پیچھے ہولیا۔ وہ دُم ہلاتا جاتا تھا اور پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اُس بزرگ نے سمجھا کہ اس روٹی میں اس کا بھی حق ہے کیونکہ اس گھر کی نگرانی کرتا ہے اور اُس نے ایک روٹی پر سالن کا تیسرا حصّہ ڈال کر اُسے ڈال دی۔ کُتّے نے وہ کھالی اور پھر پیچھے پیچھے چل پڑا۔ بزرگ نے خیال کیا کہ بے شک اُس کا حق زیادہ ہے کیونکہ یہ اُس گھر کا محافظ ہے اور ایک روٹی پر سالن کا ایک اور حصّہ ڈال کر اُس کے آگے پھینک دی مگر کُتا وہ کھا کر بھی پیچھے چل پڑا۔ اِدھر اُس بزرگ کو خود سخت بھُوک لگی ہوئی تھی وہ کہنے لگا کہ تو بڑا بے حیا ہے مَیں تین میں سے دو روٹیاں تجھے دے چُکا ہوں مگر پھر بھی پیچھا نہیں چھوڑتا۔ یہ کہنا تھا کہ معاً کشف کی حالت پیدا ہوئی وہ دُنیا کی حالت کو بالکل بھُول گئے۔ کُتّے کی روح متمثّل ہو کر ان کے سامنے آئی اور کہا کہ تم مجھے بے حیا کہتے ہو حالانکہ مَیں تو کُتا ہوں اور تم انسان ہو۔ مجھے سات سات فاقے اس گھر میں آئے اور مَیں نے اِس ڈیوڑھی کو نہیں چھوڑا مگر تمہیں تین دن کا فاقہ آیا اور تم چھوڑ کر شہر کو آ گئے۔ بتاؤ بے حیا میں ہوں یا تم ہو؟ یہ بات سُن کر ان کی آنکھیں کُھل گئیں اور تیسری روٹی مع سالن بھی کُتّے کے آگے پھینک دی۔ جب واپس اپنے مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص نہایت پُر تکلّف کھانے لئے بیٹھا ہے اور کہتا ہے کہ آپ کہاں چلے گئے تھے مَیں انتظار میں تھا تو توکّل کا مقام یہی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے اور توکّل کے یہ معنے بھی نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ کی جستجو کرنے والوں کے لئے سامان کرنے منع ہیں۔ سامان بھی کئے جاسکتے ہیں۔ تجارت، نوکری، زراعت وغیرہ سب کام کرنے جائز ہیں مگر نظر خدا تعالیٰ پر ہی ہونی چاہئے کہ وہی سب ضروریات پوری کرے گا۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر بھی کوئی کمی ہوئی تو جھٹ چندہ میں کمی کر دیتے ہیں دس روپیہ آمد تھی تو روپیہ چندہ دیتے تھے مگر جب آمد نَو رہ گئی تو چندہ آٹھ آنہ کر دیا اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آمد میں اور کمی کر دی اور آٹھ کے چھ رہ گئے تو پھر چندہ ۲ کر دیا۔ گویا آمد میں تو چار کی کمی ہوئی اور چندہ میں ۱۴ ر کی کر دی۔ اللہ تعالیٰ بھی یہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اُس نے آمد میں اَور کمی کی تو چندہ دینا ہی بند کر دیا۔ ایسی حالت میں خدا بھی آمد کا دروازہ

بالکل بند کر دیتا ہے۔ اس نے تو ایک روپیہ بند کیا مگر خدا تعالیٰ نے دس کی کمی کر دی۔ تو یہ سامان نہیں۔ سامان یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق بے شک انسان کمی کر لے۔ اگر ایک روپیہ کی کمی آمد میں ہو تو چندہ میں ڈیڑھ آنہ کی کمی تو جائز ہے مگر آٹھ آنہ کم کر دینا تدبیر نہیں بلکہ اِس رستہ کو بند کر دینا ہے جس سے آتا تھا۔ یہ ایسی ہی بات ہے کہ کسی کو پیاس لگی ہوئی ہو تو وہ مُنہ کے آگے ہاتھ رکھ لے۔ حالانکہ مُنہ کے راستہ پانی اندر جا کر پیاس بُجھ سکتی ہے۔ ہاں ایسے موقع پر اگر انسان قربانی زیادہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا فضل بھی زیادہ نازل ہوتا ہے۔ حضرت خلیفہ اوّل کے اسی سفر کا واقعہ ہے جس کا میں اوپر ذکر کر چکا ہوں۔ آپ سُنایا کرتے تھے کہ میرے پاس دو صدریاں تھیں جو بہت قیمتی تھیں اور مجھے ان پر بہت ناز تھا۔ گویا بڑی دولت تھی مگر ایک روز میں اس حجرہ سے جہاں ٹھہرا ہوا تھا باہر گیا تو کسی نے ان میں سے ایک چُرا لی۔ آپ فرماتے مجھے صدمہ تو بہت ہوا مگر مجھے خیال آیا کہ جس چیز کی نگرانی میں نہیں کر سکتا اُسے رکھنے کا کیا فائدہ اور دوسری خود لے جا کر خدا تعالیٰ کی راہ میں دے دی۔ اس کے بعد وہ لوگ آئے جو شہزادہ کے علاج کے لئے آپ کو لے گئے۔ تو توکّل کے یہ معنے نہیں کہ انسان دنیوی سامان نہ کرے بلکہ یہ ہیں کہ نظر خُدا تعالیٰ پر ہو۔ اس کے سوا نظر کسی پر نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو دنیوی مُشکلات کا اثر دینی خدمات پر نہیں پڑ سکتا۔ اس توکّل کے ساتھ جب انسان اللہ تعالیٰ کی اخلاص سے عبادت کرتا ہے تو اس کا جواب اسے ضرور مل جاتا ہے۔

مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت میں بعض خواب بینوں نے اپنی خوابوں اور دُعاؤں کو آمد کا ذریعہ بنایا ہوا ہے اور وہ آنوں بہانوں سے لوگوں سے سوال بھی کرتے رہتے ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ بندوں سے مانگنے پر مقرر کر دیتا ہے وہ تو ایک عذاب ہے۔ ایسے شخص کی خوابیں بھی یقیناً ابتلاء کے ماتحت ہو سکتی ہیں انعام کے طور پر نہیں۔ ہاں یہ جائز ہے کہ دین کے لئے انسان دُعا کے پورا ہونے پر خدمت مقرر کر لے جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے اپنے نفس کے لئے جائز نہیں اور کامل مومن کی فطرت ہی کے یہ امر خلاف ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی دُعا سنے اور پھر جس کے حق میں دُعا کی گئی ہے اُس کے دل میں تحریک کرے کہ وہ خود اپنی خوشی سے دُعا کرنے والے کی خدمت کرے۔ آخر میں پھر احباب کو

توجّہ دلاتا ہوں کہ یہ دن قربِ الٰہی کے حصول کے لئے خاص ہیں اِس لئے ان کی قیمت کو سمجھتے ہوئے خدا تعالیٰ سے مانگو۔ اللہ تعالیٰ سب کو اِس کی توفیق عطا فرمائے۔'' (الفضل ۸؍نومبر ۱۹۹۳ء)

۱؎ البقرہ: ۱۸۷

۲؎ الترغیب و الترھیب کتاب الصوم باب الترغیب فی صوم الاربعاء و الخمیس و الجمعه

۳؎ مرقاۃ الیقین فی حیات نورالدین صفحہ ۱۱۱

۴؎ الصحیح البخاری کتاب الطب باب من اکتوٰی او کوٰی غیرہ و فضل من لم یکتو

۵؎ العنکبوت: ۷۰　　۶؎ الماعون: ۵

۷؎ **زِنہار:** ہرگز، کبھی نہیں، خبردار

۸؎ الصحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ وجوہٌ یومئذناضرۃ ......

۹؎ البقرہ: ۲۵۶

۱۰؎ حیاتِ نور باب چہارم صفحہ ۲۸۵